غزوات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بچوں کا حصہ

سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

مدیحہ بٹ

ایم اے اسلامک اسٹڈیز

Abstract

The breeding foundation is based on the fact that, as per human nature childhood lays the stepping stone for his entire future. In true words, childhood is the period of his actual mindset, breeding and growth. As muslims it becomes our binding duty to breed and educate our children in the perspective of "sunnah". The teachings of our prophet Muhammad (ﷺ) are best and ever lasting. Just as the teachings and ahadith of our prophet Muhammad (ﷺ) are practical in various fields of life similarly His interaction, relation and behavior with children are golden examples for parents. There exist numerous ahadith regarding children as guiding principles for parents.

مختلف اوقات میں، مختلف تہذیبیں بین الاقوامی قانون کو ترقی دیتی رہی ہیں اُن کا ایک ہی بنیادی مقصد تھا، یعنی جنگ کو روکنا اور جہاں جنگ ناگزیر ہو جائے تو طاقت کے استعمال کو زیادہ سے زیادہ قابو میں رکھنا اور روکنا۔ اس مقصد کو دیکھتے ہوئے کسی بین الاقوامی اور خاص طور پر جنگی قانون کی ناکامی یا کامیابی کو ناپنے کا صحیح ترین پیمانہ یہی ہوسکتا ہے کہ دیکھا جائے کہ آیا اس قانون نے طاقت کے استعمال کو روکا، منع کیا یا کم کیا ہے یا نہیں۔ کسی جنگی قانون کو کس حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے، اس بات

کا فیصلہ اس بنیادی معیار کی روشنی میں کیا جانا چاہئے۔ محض نیک خواہشات کے اظہار، متاثر کن مثالی نمونے اور فصیح و بلیغ بیانات اور اعلانات کو کسی قانون کی کامیابی یا ناکامی کو ناپنے کے لئے بہت زیادہ وزن نہیں دیا جاسکتا۔

اقوام متحدہ اور دوسرے بین الاقوامی اداروں کی متعلقہ دستاویزات، خاص طور پر بین الاقوامی انسانی قوانین سے متعلق دستاویزات میں بین الاقوامی قانون کا مقصد یہ ہے(۱):

① جنگ کو روکنا

② اس امر کو یقینی بنانا کہ بین الاقوامی اور مختلف ممالک کے مابین تنازعات پُرامن طریقے سے حل ہوں۔

③ اگر جنگ ناگزیر ہوجائے تو اسے کم سے کم حد تک روکے رکھنا۔

④ جنگ کے اثرات کو کم کرنا، خاص طور پر ان لوگوں کے لئے جو شریک جنگ نہ ہوں اور کسی جنگی سرگرمی میں براہ راست حصہ نہ لے رہے ہوں۔

⑤ اور ان لوگوں کو تحفظ فراہم کرنا جو جنگ سے حادثاتی طور پر متاثر ہوگئے ہوں۔(۲)

تاریخ انسانی کے مختلف ادوار میں وکلاء اور قانون دانوں کی جانب سے کی جانے والی عظیم کاوشوں کے باوجود، بین الاقوامی قانون طاقتور کو قابو میں رکھنے اور کمزور کا تحفظ کرنے میں ناکام رہا ہے۔ تاریخ انسانی میں ایسی مثالیں بہت ہی کم ملتی ہیں، جہاں ایک طاقتور ملک، طاقتور حکمران یا طاقتور فوج کو، جو کسی جنگ کو جاری رکھنے پر تلی ہو، محض قانونی اصولوں یا اخلاقی اقدار کا حوالہ دے کر جنگ سے روکا جاسکے یا اس سے باز رہنے پر راضی کیا جاسکے۔ اس کے باوجود بھی یہ ایک ایسا خواب ہے، جس کو انسانوں کو تعبیر دینا ہے۔ تاہم انسانی معاشروں میں اس بات پر اتفاق رائے کے باوجود کہ حتی الامکان جنگ سے گریز کیا جانا چاہئے، اس امر پر بھی اتفاق رہا ہے کہ بعض حالات میں جنگ لازمی ہوجاتی ہے اور وہاں طاقت کے استعمال کی اجازت دی جانی چاہئے۔ لیکن مشکل ترین سوال جوں کا توں ہے: اس بات کا فیصلہ کون کرے کہ کون سی خاص جنگ یا کون سے خاص حالات میں طاقت کا استعمال قابل اجازت اور جائز ہے؟

جہاد اور اس کا فلسفہ:

بنیادی طور پر جہاد کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے سخت کوشش اور جانفشانی سے کام کرنا ہے۔ لغوی اعتبار سے جہاد کا مطلب جدوجہد یا جاری رہنے والی سخت کوشش ہے۔ جو لوگ عربی زبان سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہوں گے کہ اس زبان میں مختلف ابواب ہوتے ہیں۔ ایک ہی باب کے الفاظ

کے مطالب میں تو تسلسل ہوتا ہے لیکن ہر ایک کا مفہوم یا مدعا مختلف ہوتا ہے۔ مشتقات کے اعتبار سے، جہاد کے لفظ کے باب میں قتال (لڑائی) نزال (جھگڑا)، نصاب (متعین مقدار) وغیرہ شامل ہیں۔ دو متماثل اصطلاحیں جو جہاد کے تصور سے متعلقہ ہیں اور جن کا مادّہ ایک ہی ہے، ایک لفظ ''مجاہدہ ہے'' جس کا مطلب ہے مشترکہ جدو جہد اور دوسرا لفظ ''اجتہاد'' ہے جس کا مطلب ہے مرتکز کوشش۔ اگر یہ کوشش علمی ہے تو یہ اجتہاد ہے(۳)، اگر یہ روحانی ہے تو مجاہدہ ہے(۴)، اور اگر یہ جسمانی ہے تو یہ جہاد ہے۔

مجاہدہ اور اجتہاد کی اصطلاح کو سمجھے بغیر جہاد کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ، جہاد کے بنیادی فلسفے کا اسلام کی آفاقیت کے ساتھ بڑا گہرا اور ناقابل جُدا تعلق ہے۔ اس تعلق کا اعتراف ''انسائیکلو پیڈیا آف سلام'' کے مصنفین نے بھی کیا ہے۔ جن کا کہنا ہے کہ ''اسلام کی آفاقیت اس کی تعلیمات کا جزوِ لاینفک ہے اور یہ جہاد کے فلسفے کے لئے بنیادی اور مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ اسلام کی آفاقیت کی مرکزیت بالخصوص جہاد اور بالعموم اسلامی تعلیمات کے لئے بہت اہم ہے۔''(۵)

بہت سے مسلمان فقہاء کے مطابق، جہاد کا مقصد بڑا سادہ ہے: مسلمان حکومت اور مسلمان ریاست کو سلامتی و تحفظ فراہم کرنا نیز انہیں دنیاوی اور اُخروی زندگی کے مقاصد کو پورا کرنے کے قابل بنانا(۶)۔ بالفاظ دیگر جہاد کا واحد مقصد، مادی معنوں کے لحاظ سے اس زندگی کی ترقی و فلاح اور روحانی اعتبار سے بھی ترقی و فلاح ہے۔ یہ بنیادیں، جنہیں قبولِ عام حاصل ہے اور جنہیں جدید بین الاقوامی قانون نے بھی تسلیم کیا ہے، قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں۔

جہاں تک جہاد بالسیف یا طاقت کے استعمال کا تعلق ہے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جنگ کا مقصد دشمن کا جسمانی طور پر خاتمہ کرنا نہیں ہے''۔ جدید بین الاقوامی انسانی فلاحی قوانین بھی یہ کہہ کر کہ جنگ کا مقصد دشمن کی جنگی طاقت اور جنگی استعداد کو کمزور کرنا ہونا چاہئے۔ اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جونہی دشمن کی جنگی استعداد کمزور ہو جائے، حملوں کو روک دینا چاہئے۔

طاقت کے استعمال کو کم سے کم کرنے کی یہی فکر، جنگ سے پہلے کے مرتبے کی بحالی کے اسلامی قوانین کی تہہ میں کارفرما نظر آتی ہے۔ جنگ سے پہلے کے مرتبے کی بحالی کا جو اصول قرآن کریم نے پیش کیا ہے وہ یہ ہے:

> جونہی جنگ ختم ہو جائے یا قیدیوں کو احسان کر کے آزاد کر دو یا ان کے بدلے فدیہ لے لو۔

چنانچہ مسلمان فوج اپنے جنگی قیدیوں کے بدلے دشمن کے جنگی قیدیوں کا تبادلہ کر سکتی ہے، یا ان

کے بدلے فدیہ قبول کرسکتی ہے اور معاملہ تمام ہو جاتا ہے۔

اس بارے میں ایک شافعی فقیہ کی رائے بھی قابل ذکر ہے: وجوب الجہاد وجوب الوسائل لا وجوب المقاصد'' جس کا مطلب ہے کہ ''جہاد کی فرضیت ذرائع و وسائل کے طور پر ہے نہ کہ مقصد کے طور پر''، چنانچہ ایک عظیم فقیہ کی رائے میں جہاد یا جنگ بذاتِ خود ایک مقصد نہیں ہے۔ یہ اعلیٰ اور عظیم تر مقاصد کے حصول کا محض ایک ذریعہ ہے۔ اگر دوسرے ذرائع سے وہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے، تو ان دیگر ذرائع کو استعمال کیا جانا چاہئے۔ اصل مقصد ہر شخص، خاص طور پر اسلامی ریاست کو امن و سلامتی کی فراہمی ہونا چاہئے۔(۷)

اسلام کا بین الاقوامی قانون نہ صرف ان مقاصد کو محدود کر کے، جن کے حصول کے لئے طاقت کا استعمال کیا جانا چاہئے، اسے محدود کرتا ہے، بلکہ یہ طاقت کے استعمال کو سخت قسم کے قوانین کا پابند بھی بناتا ہے۔ یہ بات کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ ان قوانین کو مذہبی اعتبار سے بھی لاگو کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ مذہبی قوانین کا ہی حصہ ہیں اور دوسرے مذہبی اصولوں کی مانند ان کا جواز بھی مذہبی تعلیمات ہی سے ملتا ہے۔

جہاد کی اخلاقیات:

جنگ کے اصول وقوانین میں اسلام نے جو بنیادی اصلاح کی ہے وہ یہ ہے کہ طاقت کے استعمال کو شریک جنگ تک محدود کیا ہے۔(۸) یہ انتہائی بنیادی قانون ہے جو نہ صرف قرآن کریم بلکہ احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ طاقت کا استعمال ان لوگوں تک محدود ہونا چاہئے جو میدانِ جنگ میں جنگی کارروائیوں میں حصہ لے رہے ہوں۔ آج میدانِ جنگ کو محدود کرنا یا اس کی حدود کو بیان کرنا مشکل ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ حقیقی جنگ میں شریک افراد کو نشانہ بنائیں اور اس بات کو بھی یقینی بنائیں کہ جو لوگ شریک جنگ نہیں ہیں وہ محفوظ و مامون رہیں، عورتوں اور بچوں کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔(۹) مذہبی افراد کو نشانہ نہیں بنایا جاسکتا، تارک الدنیا افراد اور درویشوں کو نہیں چھیڑا جاسکتا۔(۱۰) یہ سب افراد اور لڑائی میں حصہ نہ لینے والے دیگر افراد کو۔ جب تک وہ حقیقی جنگ کے مدائرہ سے باہر ہیں۔ حملوں کا نشانہ نہیں بنایا جاسکتا۔ عام آبادی کو تحفظ فراہم کیا جانا چاہئے۔ شہری آبادی اور شہری تنصیبات کو تباہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ سب باتیں ان ہدایات میں سے چند ہیں جو نبی کریم ﷺ اپنے مجاہدین کو دیا کرتے تھے۔ جب بھی وہ کوئی فوج روانہ کرتے، وہ ان کے لئے ضابطہ اخلاق بناتے اور حکم دیتے کہ یہ ضابطہ تمام فوجیوں کو پڑھ کر سنایا جائے۔(۱۱) اس رواج پر اولین خلفاء اور بعد میں بہت سے مسلمان حکمران بھی عامل رہے۔ ایسے بہت سے اعلانات ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب

"الوثائق السیاسیۃ" میں شامل کئے ہیں۔ اس کتاب میں نبی کریم ﷺ اور ان کے خلفاء کے دور کی سیاسی دستاویزات کو پیش کیا گیا ہے۔ ان دستاویزات میں نبی کریم ﷺ نے اپنے فوجیوں اور سپہ سالاروں کو ہدایات دی ہیں۔ مثلاً وہ دھوکہ وفریب سے کام نہ لیں، دشمن کی لاش کا مثلہ نہ کریں اور کبھی بچے یا عورت کو قتل نہ کریں۔(۱۲) ان ہدایات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین وغیرہ کی ان ملتی جلتی بہت سی ہدایات کی بنیاد پر اسلام کا جامع قانونِ جنگ بنایا گیا ہے۔

بچوں کا قبول اسلام:

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بچوں کو تمام اہم مواقع پر ساتھ رکھا اور ان کی بہترین کردار سازی کی گئی۔ مکی اور مدنی ادوار میں بچوں نے بڑوں کے شانہ بشانہ اسلام کے لیے انتہائی مشکل حالات کا سامنا کیا اگر ان بچوں کی عمریں اور جسمانی طاقت ذہن میں رکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ بچوں کی قربانی بڑوں سے کم نہیں ہے۔ ذیل میں چند واقعات درج کیے جاتے ہیں جو بچوں کی قربانیاں سامنے لاتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ پہلے مسلمان بچے ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلی مسلمان ایک خاتون حضرت خدیجہؓ اور دوسرا مسلمان ایک بچہ یعنی حضرت علیؓ تھے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو اس وقت دعوتِ اسلام دی جب وہ نو دس سال کے بچے تھے۔ پہلے انہوں نے اپنے والد ابو طالب سے اجازت لینا چاہی لیکن پھر خود ہی فیصلہ کر لیا اور ابو طالب سے پوشیدہ اسلام قبول کر لیا(۱۳)۔ ابو طالب کے خوف سے آپ ﷺ کے پاس چھپ چھپ کر آتے رہے اور اپنے اسلام کو چھپائے رکھا ظاہر نہ ہونے دیا۔ لیکن جلد ہی سب کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ساتھ دینے کا اعلان کر دیا۔

جب نبی کریم ﷺ نے اپنے خاندان والوں کو دعوتِ اسلام دی اور فرمایا

فایکم یبایعنی علیٰ ان یکون اخی و صاحبی قال: فلم یقم الیہ احد، قال: فقمت الیہ و کنت اصغر القوم (۱۴)

یعنی پس تم میں سے کون مجھ سے بیعت کرتا ہے کہ میرا بھائی اور میرا ساتھی بنے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کوئی نہیں اٹھا تو میں کھڑا ہوا اگرچہ میں لوگوں میں سب سے چھوٹا تھا۔

نبی کریم ﷺ کی غیر مسلم بچوں کو دعوتِ اسلام:

ایک یہودی لڑکا نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار ہوا۔ نبی کریم ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس کے سرہانے بیٹھے۔ آپ ﷺ اس سے فرمایا مسلمان ہو جا وہ اپنے باپ کی طرف جو پاس بیٹھا تھا دیکھنے لگا اس کے باپ نے کہا ابوالقاسم کا کہنا مان لے۔ وہ مسلمان ہوگیا تب آپ ﷺ یہ فرماتے ہوئے باہر نکلے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اسے دوزخ سے بچا لیا۔ (۱۵)

اس سے ثابت ہوا کہ غیر مسلم بچوں کو دعوتِ اسلام دی جا سکتی ہے۔ امام بخاری نے نبی کریم ﷺ کی ابن صیاد کو دعوتِ اسلام بیان کی ہے اس وقت وہ بچہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا **أتشهدُ أنّي رسول الله**؟ یعنی کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں (۱۶)

بڑوں کی طرح بچوں نے بھی نبی کریم ﷺ سے باقاعدہ بیعت کر کے آپ ﷺ کی اطاعت کا اقرار کیا۔ اگرچہ ایسے بچوں کی تعداد کم ہے۔ محمد بن علی بن الحسین کی روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ نے اپنے گھرانے کے چند بچوں سے بھی بیعت لی تھی۔ ان میں حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ شامل تھے یہ ابھی بہت کم عمر تھے۔ زمانہ جوانی سے ابھی بہت دُور تھے اور داڑھی بھی چہرے پر نہیں آئی تھی (۱۷)۔ ان کے علاوہ سات سال کی عمر میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی بیعت کی تھی۔ (۱۸)

شعب ابی طالب کے قیدی بچے:

مشرکین مکہ نے اسلام کے پیغام کو روکنے کے لیے مظالم کی انتہا کر دی۔ اور اس سلسلے میں اتنے بڑھ گئے کہ نبی کریم ﷺ اور خاندان میں آپ ﷺ کے حامی افراد کا سماجی مقاطعہ کر دیا جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کو شعب ابی طالب میں منتقل ہونا پڑا۔ شعبِ ابی طالب میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے خاندان نے تین سال انتہائی مصیبتوں میں گزارے۔ کھانے پینے اور رہنے سہنے میں تمام لوگوں نے تکالیف اٹھائیں۔ یہاں بھی آپ ﷺ کے خاندان کے بچے آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ اور ان بچوں نے سب کے ساتھ تمام تکالیف کا سامنا کیا۔

ابن قیم کا بیان ہے:

وسمع اصوات صبیانهم بالبکاء من ورا الشعب (۱۹)۔

یعنی مشرکین کو بچوں کے رونے کی آوازیں گھاٹی سے سنائی دیتیں

بچوں کی ہجرت وجہاد میں حصہ:

قریش کی مخالفت اور انسانیت سوز مظالم سے تنگ آ کر مسلمان ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ دو مرتبہ حبشہ اور آخر کار مدینہ ہجرت کر گئے۔ یہ بھی کوئی آسان مرحلہ نہ تھا لیکن اس فضیلت میں بھی بچے بڑوں کے ساتھ شریک رہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بیان کردہ ایک روایت بچوں کی ہجرت کی نشاندہی کرتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اپنے بھائی فضلؓ کے ساتھ قریش کے گروہ کے ساتھ مکہ سے نکلے تھے جب وہ نبی کریم ﷺ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ ان کے ہمراہ ان کے غلام حضرت ابو رافعؓ بھی تھے۔ ابن عباسؓ اس وقت آٹھ اور انکے بھائی تیرہ سال کے تھے۔ یہ بنی عمرو بن عوف کے راستے مدینہ میں داخل ہو گئے اور نبی کریم ﷺ کو خندق پر پایا۔ (۲۰)

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (۲۱)

اور لڑو اللہ کے راستے میں یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ یعنی غلبہ کفار کا اور ہو جائے دین واسطے اللہ کے۔

اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ مسلمانو تم فتنہ پروان کافروں اور اسلام کے دشمنوں سے برابر قتال وجدال کرتے رہو، جب تک کہ فتنہ وفساد کلی طور سے ختم نہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (۲۲)

اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فساد اور ہو جائے حکم سب اللہ تعالیٰ کا۔

اسلام نے مسلمانوں کو کیوں اور کس وجہ سے جہاد وقتال کی اجازت دی ہے؟ اس کا بیان خود قرآن کریم کی زبان سے سن لیجئے:

اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ۝ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (۲۳)

اجازت دیدی گئی لڑنے کی ان لوگوں کے لئے جن پر کافروں نے ظلم کیا ہے۔

اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے، وہ لوگ جو نکالے گئے اپنے گھروں سے ناحق صرف یہ کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

یعنی جہاد و قتال کی علت یہ ہے کہ بیچارے مسلمانوں پر کافر لوگ طرح طرح سے ظلم وستم و زیادتی کرتے رہے اور ان کو بغیر کسی قصور و جرم کے بلاوجہ ان کے گھر بار اور اہل وعیال سے نکال دیا۔ صرف اتنی سی بات پر کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٨﴾ (۲۴)

جنگ کا حکم اس لئے ہے کہ حق، حق ہو کر رہے اور باطل باطل ہو کر رہ جائے، خواہ مجرموں کو یہ کتنا ہی ناگوار گزرے۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ حق و باطل، اسلام اور کفر کی معرکہ آرائی روزِ اول سے جاری ہے اور روز آخر تک جاری رہے گی، حق کی بقاء اسلام کی سربلندی اور بالادستی، اعلیٰ انسانی اقدار کا تحفظ، قدرت کا ابدی فیصلہ ہے، جبکہ طاغوتی اور ابلیسی قوتوں کی سرکوبی اور انکا زوال بھی آئینِ فطرت ہے، حق کی سربلندی اور دین کی عظمت و بقاء کے لئے جدوجہد اور جہاد اسوۂ پیمبری اور انسانی ضمیر کے زندہ ہونے کی علامت ہے۔

شدیم خاک ولیکن زبوئے تربتِ ما   تواں شناخت کریں خاکِ مردمی خیزد

''ہم خاک ہو گئے لیکن ہماری تربت کی خوشبو سے ہمیں پہچانا جاسکتا ہے کہ اس خاک سے بھی مردانگی پھوٹ رہی ہے۔

بعثت نبوی ﷺ کے بعد آنحضرت ﷺ نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو سخت مشکلات پیش آئیں۔ اس زمانے میں جو لوگ اسلام لائے ان پر مشرکین نے طرح طرح کے ظلم ڈھائے، قریش غریب مسلمانوں کو پکڑتے انہیں تیز دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر لٹاتے، لوہے کو آگ پر گرم کر کے جسم کو داغتے، یہ مصیبتیں تمام بیکس مسلمانوں پر عام تھیں۔ اس کے باوجود وہ لوگ اس حال میں بھی اَحد اَحد کہتے تھے، یعنی معبود ایک ہی ہے، آخر کار ۱۲ صفر ۲ ھ میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیدیا۔ بعض افراد جو مکی ظلم کے خلاف جہاد کی اجازت مانگتے تھے جب مدینہ منورہ میں اجازت مل گئی تو پہلوتہی کرنے لگے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (۲۵)

یعنی جہاد اسی لئے حلال کیا گیا ہے کہ کمزور مرد، عورت اور بچوں کو تحفظ فراہم کیا جائے، جو ہجرت نہیں کر سکتے، اپنے کو محفوظ نہیں رکھ سکتے، یہ لاچار خواہ یہودی ہوں یا عیسائی یا مسلمان مظلوم۔

بغیر لڑے راستہ نہیں ملتا لڑنا مجبوری ہے۔ طاقت کا جواب جہاد کے ذریعہ دینے کا حکم ہے جو مزاحمتی رویہ نہیں اپناتے وہ دنیا سے نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جاهدوا المشركين بأموالكم وايديكم والسنتكم (۲۶)

مشرکین کے خلاف اپنے مال اپنے ہاتھ اور اپنی زبان سے جہاد کریں۔

دوسری حدیث میں فرمایا:

مشرکوں سے جہاد کرو، اپنے مالوں اور جانوں اور اپنی زبان کے ساتھ۔

بچوں کا شوق جہاد:

مکہ مکرمہ میں جہاد کی اجازت نہیں تھی، مدینہ پہنچنے کے بعد اجازت ملی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ اور سریہ کی صورت میں دشمنانِ اسلام کے خلاف سربکف ہو گئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں بڑوں کو تو جہاد میں شرکت کا شوق تھا ہی، جس میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں، اور ان کے وقعات کتب سیرت میں کثرت سے نقل کئے گئے ہیں، لیکن بچے بھی ان سے پیچھے نہ تھے۔ ہمیشہ مشتاق رہتے، جہاں موقع ملتا پہنچ جاتے۔ لشکر کی روانگی کی تیاری میں چھپتے پھرتے، کہ کوئی بچہ سمجھ کر جانے سے منع نہ کر دے، ان کے چھوٹے سے ذہن میں بھی شہادت کا وہ جذبہ تھا جو آجکل کے بڑوں میں بھی نہیں رہا ہے۔

کم سن اور نوعمر بچوں میں جہاد کا جو جذبہ تھا وہ حقیقت میں بڑوں کی پرورش کا ثمرہ تھا، اگر ماں باپ اور دوسرے اولیاء اولاد کو شفقت میں کھو دینے کے بجائے شروع ہی سے ان کی دینی حالت کی خبر گیری اور ان پر تنبیہ کی نظر رکھیں گے تو دین کے امور بچوں کے دلوں میں جگہ پکڑیں گے، اور بڑی عمر میں وہ چیزیں ان کے لئے بمنزلہء عادت کے ہو جائیں گی۔ لیکن ہم لوگ اس کے برخلاف بچے کی ہر بری بات پر بچہ سمجھ کر چشم پوشی کرتے ہیں اور اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دیتے ہیں کہ بڑے ہو کر سب درست ہو جائے گا، حالانکہ بڑے ہو کر وہی عادات پختہ ہوتی ہیں جن کا شروع میں بیج بویا جا چکا ہے۔ آپ

چاہتے ہیں کہ بیج چنے کا ڈالا جائے اور اس سے گیہوں پیدا ہو، یہ ممکن ہی نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بچپن ہی سے اپنی اولاد کی نگہداشت فرماتے تھے اور دینی امور کا اہتمام کراتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''اپنے بیٹوں کو تیرنا اور تیر چلانا سکھاؤ اور عورتوں کو کاتنا سکھاؤ''

آپ ﷺ نے تعلیمی نظام میں فنون سپہ گیری کو خاص اہمیت دے رکھی تھی۔ آپ ﷺ نے ہدایت دے رکھی تھی کہ بچوں کو ابتداء ہی سے نشانہ بازی، تیراندازی اور پیراکی کی تعلیم دی جائے، آپ ﷺ گھوڑ دوڑ کے مقابلے کراتے تھے اور جنگی مشقیں بھی کراتے تھے۔(۲۷)

وقت نے کی ہے دوہری دوہری خدمتیں تیرے سپرد خود تڑپنا ہی نہیں اوروں کو تڑپانا بھی ہے
ہمیں اس ظلمت کدہ میں نور کی شمع جلانا بھی ہے خود سراپا نور بن جانے سے کب چلتا ہے کام

حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں ایک عورت نے غزوہ اُحد میں اپنے لڑکے کو تلوار دے لڑکا اس تلوار کو نہ اٹھا سکا تو اس عورت نے تسمہ سے اس کے بازو پر تلوار باندھ دی پھر اس کو لیکر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ میرا بیٹا آپ کی طرف سے جہاد کریگا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا اے بیٹے! ادھر حملہ کر، اے بیٹے! ادھر حملہ کر، اس لڑکے کو زخم لگا اور وہ گر گیا، اس کو آپ ﷺ کے پاس اٹھا کر لایا گیا۔ آپ نے فرمایا اے میرے بیٹے! شاید کہ تو گھبرا گیا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! نہیں۔(۲۸)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بھائی عمیرؓ کا جذبہ شہادت قابل رشک ہے۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی عمیر بن ابی وقاصؓ کو دیکھا، اس سے پہلے کہ رسول اللہ ﷺ یوم بدر میں ہمارے سامنے آئیں، چھپتا پھر رہا تھا۔

میں نے کہا اے میرے بھائی! تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا مجھے ڈر ہے ایسا نہ ہو کہ مجھے حضور ﷺ دیکھیں اور چھوٹا سمجھ کر مجھے واپس کر دیں اور میں جہاد میں جانے کو پسند کرتا ہوں، شاید کہ اللہ پاک مجھے شہادت سے نوازے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کا حضور اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا، آپ ﷺ نے انہیں واپس کر دیا۔ عمیرؓ رو دیئے۔ تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔(۲۹)

ان کے بھائی کہتے ہیں کہ ان کے چھوٹے ہونے اور تلوار کے بڑے ہونے کی وجہ سے میں اس کے تسموں میں گرہیں لگاتا تھا تاکہ تلوار اونچی ہو جائے۔

حضرت عمیر آبی اللحم کے غلام اور کم عمر بچے تھے۔ جہاد میں شرکت کا شوق تھا، خیبر کی لڑائی میں شرکت کی خواہش کی، ان کے سردار نے بھی حضور ﷺ کی بارگاہ میں سفارش کی کہ اجازت فرمادی جائے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے اجازت فرمادی اور ایک تلوار مرحمت فرمائی جو گلے میں لٹکالی، مگر تلوار بڑی تھی اور قد چھوٹا تھا، اس لئے وہ زمین پر گھسٹتی جاتی تھی۔ اسی حال میں خیبر کی لڑائی میں شرکت کی، چونکہ بچے بھی تھے اور غلام بھی اس لئے غنیمت کا پورا حصہ تو ملا نہیں البتہ بطور عطا کے کچھ سامان حصہ میں آیا۔ ان جیسے حضرات کو یہ بھی معلوم تھا کہ غنیمت میں ہمارا پورا حصہ بھی نہیں اس کے باوجود پھر یہ شوق کے دوسرے حضرات سے سفارشیں کرائی جاتی تھیں۔ اس کی وجہ دینی جذبہ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے رسول ﷺ کے وعدوں پر اطمینان کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے۔

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لئے　　اور مرتے تھے تیرے نام کی عظمت کے لئے
تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لئے　　سربکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لئے؟

مسلمانوں کے مدینہ میں پناہ لینے پر مشرکین مکہ پیچ وتاب کھارہے تھے۔ اور انھیں مسلمانوں کا امن وسکون اور اسلام کی ترقی برداشت نہ تھی۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں سے لڑائیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع کردیا۔ مسلمان بچے غزوات میں بھی شامل رہے اگرچہ جسمانی قوت کی کمی ان کی راہ میں حائل رہی۔ لیکن قریب البلوغ بچوں کی لڑائیوں میں شمولیت ثابت ہوتی ہے۔ سیرت النبی ﷺ کے مطالعے سے علم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس ضمن میں انتہائی احتیاط کا مظاہرہ کیا لیکن بچوں کے شوقِ شہادت نے انہیں پیچھے نہ رہنے دیا۔ ابوجہل ملعون کو جہنم رسید کرنے میں بھی دو کم عمر صحابیوں کا اہم کردار ہے۔ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

> میں بدر کے دن صف میں کھڑا تھا اچانک نظر جو پڑی تو دیکھتا کیا ہوں کہ میرے دائیں بائیں انصار کے لڑکے ہیں۔ میں نے آرزو کی کاش میں ان سے زبدست زیادہ عمر والوں کے بیچ میں ہوتا۔ ان میں سے ایک مجھ سے پوچھنے لگا چچا جان کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں مگر تجھے اس سی کیا کام ان نے کہا میں نے سنا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کو برا کہتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر میں اس کو دیکھوں تو میرا بدن اس کے بدن سے الگ نہ ہوگا یا ادھر یا اُدھر جس کی موت پہلے آئی ہو اس کے مرنے تک۔ مجھے اس کی یہ گفتگو سن کر تعجب آیا اب دوسرے نے مجھے اشارہ کیا اور یہی پوچھا۔ تھوڑی دیر نہیں گذری کہ ابوجہل کو میں نے دیکھا لوگوں میں گھوم رہا

ہے۔ میں نے ان بچوں سے کہا دیکھو وہ آن پہنچا جس کو تم چاہتے تھے۔ یہ سنتے ہی دونوں اپنی تلواریں لے کر اس پر جھپٹے اور اسے تلواروں سے ضرب لگائی اور قتل کردیا۔(۳۰)

یہ دونوں صاحبزادے معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اور معاذ بن عفرا رضی اللہ عنہ ہیں، معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں لوگوں سے سنتا تھا کہ ابوجہل کو کوئی نہیں مار سکتا، مجھے اسی وقت سے خیال تھا کہ اس کو ماروں گا۔ یہ دونوں صاحبزادے پیدل تھے اور ابوجہل گھوڑے پر سوار تھا۔ یہ دونوں دوڑے، گھوڑا سوار پر براہ راست حملہ مشکل تھا۔ اس لئے ایک نے گھوڑے پر حملہ کیا اور دوسرے نے ابوجہل کی ٹانگ پر، جس سے گھوڑا بھی گرا اور ابوجہل بھی گرا اور اٹھ نہ سکا، اور وہیں پڑا تڑپتا رہا۔ اس کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بالکل ہی سر جدا کردیا، معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس وقت میں نے اس کی ٹانگ پر حملہ کیا تو اس کا لڑکا عکرمہ ساتھ تھا۔ اس نے میرے مونڈھے پر حملہ کیا، جس سے میرا ہاتھ کٹ گیا اور صرف کھال میں لٹکا ہوا رہ گیا، میں نے اس لٹکے ہوئے ہاتھ کو کمر کے پیچھے ڈال لیا اور دوسرے ہاتھ سے لڑتا رہا، لیکن جب اس کے لٹکے رہنے پر بھی دقت ہوئی تو میں نے اس کو پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا، وہ کھال بھی ٹوٹ گئی، جس سے وہ اٹک رہا تھا، اور میں نے اس کو پھینک دیا۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے اس وقت بچوں میں بھی ایسا ولولہ اور جرأت پیدا فرمائی جو آج کل طاقتور مردوں میں بھی نہیں، دیکھئے! انہوں نے اپنے شوق سے ابوجہل جیسے طاقتور کو مار کر ایک مثال قائم کردی، یہ ان کے بڑوں کی پرورش کا ہی ثمرہ تھا، جس کی بدولت ان میں اتنی ہمت اور جرأت پیدا ہوئی کہ وہ ابوجہل کو مارنے میدان میں پیدل ہی دوڑ گئے، جبکہ ابوجہل گھوڑے پر سوار تھا۔

ندا پیدا ہوئی بلبل تیرے ترنم سے کبوتر کے تن نازک میں شاہین کا جگر پیدا

درحقیقت ان جاں نثاروں نے اپنی جاں نثاری کا پورا ثبوت دیدیا کہ زخموں پر زخم لگے ہوئے ہیں دم توڑ رہے ہیں، مگر کیا مجال ہے کہ کوئی شکوہ کوئی گھبراہٹ لاحق ہو جائے ولولہ ہے، حضور اقدس ﷺ کی حفاظت کا، حضور ﷺ پر جاں نثاری کا۔

کاش مجھ نااہل کو بھی کوئی حصہ اس محبت کا نصیب ہو جائے۔

اس جہاد کا مقصد یہ نہ تھا کہ دشمنوں کو تباہ کیا جائے یا ان کے افراد کو ختم کیا جائے، حضور اقدس ﷺ کے پیش نظر جو مقصد تھا وہ اعلائے کلمۃ الحق تھا۔ آپ ﷺ اللہ کا پیغام پہنچا سکیں، یہ تو عصر حاضر کی جنگوں کا خاصہ ہے کہ کروڑوں لوگ مار دیئے جاتے ہیں اور ان سے زائد جنگ کے نتیجے میں معذور ہو جاتے ہیں، جو بیماریاں پھیلتی ہیں، ان کا شمار نہیں اور پھر بھی جنگی مقاصد کی تکمیل نہیں ہو پاتی۔

ہم صحابہ کرام ؓ کی طرح صابر و شاکر نہیں اور اگر انہیں کی طرح جذبہء ایمانی لے کر اٹھیں تو کفار و مشرکین پر یہ ثابت کردیں گے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے سچے پیروکار ہیں ہم تمہاری گیدڑ بھبکیوں سے مرعوب ہونے والے نہیں ہیں، ہم (الحمدللہ) پاکستان کا دفاع کرنا جانتے ہیں، ہم نعرۂ تکبیر بلند کر کے جب تم پر ٹوٹیں گے تو تمہاری ہڈی کا سرمہ بن جائے گا۔ انشاء اللہ

فائدہ کچھ رنجش بے وجہ کر سکتی نہیں ایسی گیدڑ بھبکیوں سے موت ڈر سکتی نہیں
دہر سے مٹ جائیں گے مسلم خیالِ خام ہے لوگ مر سکتے ہیں لیکن قوم مر سکتی نہیں

حواشی و حوالہ جات:

۱۔ اقوامِ متحدہ کی اہم ترین دستاویز، تنظیم اقوام متحدہ کا منشور، ۱۹۹۵ء ہے۔ اس منشور کا آرٹیکل ۲، پیراگراف ۴، رکن ممالک کی جانب سے طاقت کے استعمال کی حدود بیان کرتا ہے، اس طرح جارحیت کے دائرہ کی وضاحت کرتا ہے۔ تاہم یہ بات کہ آرٹیکل ۲ (۴) اب بھی اپنے مقاصد کے حصول میں کارگر ہے یا نہیں، ایک سنجیدہ علمی بحث کا موضوع بنی رہی ہے۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے کے اواخر اور ۱۹۷۰ء کے عشرے کے اوائل میں بہت سے اہل علم نے اس پر بحث کی ہے جسے وہ اس آرٹیکل کی ''موت'' یا قتل قرار دیتے تھے۔

۲۔ ڈکسن، ۲۰۰۱ء، ص ۲۹۳

۳۔ اجتہاد پر جامع گفتگو **موسوعة الفقه الاسلامی**، قاہرہ، صفحات ۵۔ ۱۲ میں موجود ہے۔

۴۔ امام راغب اصفہانی نے اس اصطلاح کی تعریف ''اپنے نفس کے خلاف کوشش'' کے نام سے کی ہے۔ دیکھئے المفردات فی غرائب القرآن مطبوعہ، کراچی

۵۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ص ۵۳۸

۶۔ سرخسی، شرح السیر الکبیر، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ج ۴، ص ۳

۷۔ سرخسی، شرح السیر الکبیر، ج ۱، ص ۳، بحوالہ گزشتہ، نیز دیکھئے فتح القدیر، جلد چہارم، ص ۲۷۷

۸۔ ایضاً، ص ۳

۹۔ قرآن کریم صرف ان کے خلاف طاقت کے استعمال کی اجازت دیتا ہے جو جارحیت کا آغاز کریں (القرآن، ۲:۱۹۰ وغیرہ)

۱۰۔ حضرت ابوبکرؓ کی اپنے سپہ سالار کو دی گئی ہدایات ملاحظہ کیجئے، جنہیں دوسرے مؤرخین کے علاوہ طبرانی نے تاریخ الامم والملوک میں نقل کیا ہے۔

۱۱۔ حمیداللہ، ڈاکٹر، الوثائق السیاسیۃ مطبوعہ ۱۹۷۳، ص ۳۱۰

۱۲۔ ابن حنبل، مسند احمد، حدیث ۲۶۴۸، اور صحیح مسلم کتاب الجہاد، حدیث نمبر ۳۳۴۸

۱۳۔ البدایۃ والنہایۃ ۶۱/۴

۱۴۔ تفسیر ابن کثیر، ص ۱۰۷۶

۱۵۔ الجامع الصحیح: ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، تحقیق: محمد فواد الباقی القاھرۃ المطبعۃ السلفیۃ، البطعۃ الاولی ۱۴۰۰ھ باب اذا اسلم الصبی.. کتاب الجنائز رقم ۱۳۵۶

۱۶۔ بخاری باب کیف یعرض الاسلام علی الصبی کتاب الجہاد....رقم ۱۱۳۵۴/۲۱۵/۴

۱۷۔ حیاۃ الصحابۃ: محمد یوسف الکاندھلوی، بیروت، دار ابن کثیر، ۲۰۰۰ء، ج ۱ ص ۲۷۱

۱۸۔ حیات الصحابہ ج ۱ ص ۲۷۲ بحوالہ ہیثمی ج۹ ص ۲۸۵

۱۹۔ زاد المعاد: ابن قیم بیروت، مکتبہ المنار الاسلامیہ، ۱۹۹۴ء، ۳۰/۳

۲۰۔ مجمع الزوائد، رقم ۲۶۱۳، ۶/۵،

۲۱۔ سورہ بقرہ ۲: ۱۹۳

۲۲۔ سورہ انفال ۸: ۳۹

۲۳۔ سورہ حج، ۲۲: ۲۹۔۴۰

۲۴۔ سورہ انفال ۸: ۸

۲۵۔ سورہ نساء ۴: ۷۵

۲۶۔ امام نسائی، سنن نسائی، کتاب الجہاد باب وجوب الجہاد

۲۷۔ نقوش نمبر ۴، نمبر ۱۳۵

۲۸۔ حیاۃ الصحابۃ: محمد یوسف الکاندھلوی، ۹۱۳/۱

۲۹۔ الطبقات الکبیر: محمد بن سعد، تحقیق الدکتور علی محمد عمیر، قاھرۃ، مکتبۃ الخانجی، ۱۳۸/۳، اوردہ ابن، الاثیر فی اسد الغابۃ ۲۹۹/۴

۳۰۔ بخاری باب من لم یخمس الاسلاب ومن قتل قتیلاً فلہو سلبہ من غیر ان یخمس.... کتاب الجہاد والسیر رقم ۳۱۴۱، ۲۰۰/۲، سیرۃ المصطفیٰ: مولانا ادریس کاندھلوی، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۲۰۰۹ء، ج ۱، ص ۴۵۸